مکتوب نگاری اور اُردو زبان میں اس کا آغاز و ارتقا

ڈاکٹر علی اکبر الازہری

Dr. Ali Akbar Al-Azhari

Associate Professor, Department of Aloom-e-Islamia & Arabic,
Lahore Garrison University, Lahore.

نادیہ عالم

Nadia Alam

Ph.D Scholar, Islamic Studies Department,
University of Lahore, Lahore.

Abstract:

Communication between two or more people is a social need and when it is not possible to communicate directly, people use writing to share their ideas and thoughts. This practice is known as letter writing or epistling. Epistling is a part of literature and by virtue of its qualities, the scholars have regarded it as one of the most delicate, intricate and noble arts. Like other forms of human communication, epistling also have many types and they have been of great importance for different nations and societies throughout history.

With the arrival of Muslims in the sub-continent a new, communal and popular language, Urdu, was introduced and its initial written samples trace back to 15th century AD. Although Urdu epistling started developing with the development in the language itself, but in the initial stages it had a profound impression of Persian language on it. The transitional period of British rule also brought changes to Urdu epistling. In the middle of the nineteenth century, Urdu writing entered a new and important period. This article discusses the style of simplicity in Urdu letter writing which was introduced by Ghulam

Ghous Bekhabar (1840-1905) and Rajab Ali Sarwar (1782-1867) and ranked to perfection by Mirza Ghalib.

اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں صرف انسان کو ہی یہ صلاحیت حاصل ہے کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے، اسی لیے اسے حیوانِ ناطق کہا جاتا ہے۔ اس کے خیالات کے اظہار کا وسیلہ زبان ہے اور چوں کہ ہر علاقے کا وسیلہ اظہار الگ ہوتا ہے اس لئے دنیا میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ مختلف زبانوں میں حرفوں اور لفظوں کی سیکڑوں آوازوں کی طرح دنیا میں تحریر کی بھی مختلف شکلیں پائی جاتی ہیں۔ تحریر کی مختلف شکلوں کے علاوہ تحریر کی کئی اقسام بھی ہیں۔ دو یا زیادہ اشخاص کے درمیان باہمی گفتگو ایک سماجی ضرورت ہے اور جب یہ عمل بالمشافہ (روبرو) ممکن نہ ہو تو ہم اپنے خیالات کا اظہار تحریر کے ذریعے یعنی لکھ کر کرتے ہیں۔ یہ تحریر خط یا مکتوب کہلاتی ہے۔ مکتوب یا خط جسے عربی میں رسالہ بھی کہتے ہیں۔ زمانہ قدیم سے ابلاغ کا اہم ترین ذریعہ رہا ہے۔ بعض محققین کے نزدیک مکتوب نگاری کی ابتدا اسی وقت ہوگئی تھی جب تحریر کی ابتدائی شکلیں وجود میں آئیں۔

مکتوب نگاری کے فن اور ارتقا کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس صنف میں ہر قسم کے مضامین سموئے جاسکتے ہیں اور ان میں موضوع کی بھی کوئی قید نہیں ہوتی۔ مکتوب نگاری سنتِ الٰہیہ ہے کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا تو لکھی ہوئی کتب یا صحائف بھی ان پر نازل فرمائے۔ پھر مکتوب لکھنا انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت بھی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملکہ بلقیس کو ایمان لانے اور اطاعت کرنے کے لیے خط بھیجنا قرآنِ کریم سے ثابت ہے۔ خود ہمارے نبی کریم ﷺ نے جب عرب سے باہر مختلف علاقوں کے حکمرانوں کو دعوت اسلام دی تو اسی ذریعہ ابلاغ یعنی مکتوبات کا استعمال فرمایا۔

مکتوب نگاری کی ترقی یافتہ شکل رقعات، فرامین، رسائل اور محضر ناموں میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ انبیا، اولیا، صلحا اور بادشاہوں کے تحریر شدہ نوشتے اور ان کے نام لکھے گئے مکاتیب اس فن کی یادگار مثالیں ہیں۔ مذہب، تہذیب وتمدن، تاریخ، معاشرت، سیاست اور ادب سب کی جھلکیاں اگر کسی صنف ادب میں تلاش کی جاسکتی ہیں تو وہ صرف ''مکتوب نگاری'' ہے۔ یہ محض ایک ذریعہ ابلاغ ہی نہیں بلکہ اپنے بعض محاسن اور خواص کی بنا پر باقاعدہ ایک فن کا درجہ رکھتا ہے۔

مکتوب نگاری بطور فن

مکتوب نگاری تحریری شکل میں باتیں کرنا ہے اسی لیے مکتوب کو عرفِ عام میں ''آدھی ملاقات'' بھی کہا جاتا ہے۔ مکتوب میں مکتوب نگار اپنے خیالات وجذبات کو قلم بند کر کے مکتوب الیہ کی طرف بھیجتا ہے۔ ادب میں مکتوب نگاری باقاعدہ ایک صنف ہے۔ جس کے حدود وقواعد متعین ہیں اور اس کی اپنی ایک الگ پہچان ہے۔ احساسات، جذبات اور خیالات کو قلم کی مدد سے کاغذ پر اتارنے اور انھیں دوسروں تک پہنچانے کا عمل مکتوب نگاری ہے۔ مکتوب نگاری نثر نگاری کی ہی ایک مستقل صنف ہے۔ اسے ادبِ لطیف کا ایک جز و بھی کہا جاتا ہے۔ مکتوب نہ صرف کاتب و مکتوب الیہ کے راز ہائے دروں کو اجاگر کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں بلکہ مکاتیب کے ذریعے شخصیت و کردار کی مکمل عکاسی بھی ہوتی ہے۔ مکتوب نگاری کے بارے میں ڈاکٹر سید عبداللہ کی رائے ہے:

> ''خط نگاری تو بذاتِ خود ایک بڑا فن ہے اور اس میں کامیاب وہی شخص ہوسکتا ہے جو قدرت کی طرف سے اس فن کا فیضان لے کر آیا ہو۔ خط نگاری کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے۔۔۔

ایک اچھی خط نگاری ایک خاص شخصی ماحول پر موقوف ہے۔خط نگاری کے فن کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہے کہ یہ سب سے آسان فن ہے اور اس شخص کے لیے سہل الحصول جو اس کا قصد کرے۔مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ یہی آسان ترین فن نازک ترین فن بھی ہے کیوں کہ اس میں معیار تک پہنچنا کوئی آسان کام نہیں۔۔۔مگر خط کو ادب بنانے کا کام بہت مشکل ہے۔یہ شیشہ گری ہے،اس سے بھی نازک تر۔''(۱)

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مکتوب کو صنفِ ادب بنانے کا کام فنِ شیشہ گری سے کم نہیں ہے۔ایک فن کار بیک وقت نقاد و افسانہ نگار،شاعر اور ڈراما نگار ہو سکتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ایک اچھا مکتوب نگار بھی ہو۔بہت کم ادیب ایسے ہیں کہ جن کے مکاتیب کو ادبی حیثیت حاصل ہے۔مکتوب کی تعریف مختلف لوگوں نے مختلف انداز میں کی ہے۔بابائے اردو مولوی عبدالحق کی رائے ہے کہ:

''خط دلی خیالات و جذبات کا روز نامچہ اور اسرارِ حیات کا صحیفہ ہے۔اس میں وہ صداقت و خلوص ہے جو دوسرے کلام میں نظر نہیں آتا۔''(۲)

ڈاکٹر خلیق انجم اس بارے میں لکھتے ہیں:

''مکتوب نگاری''فنونِ لطیفہ کا حصہ نہ ہوتے ہوئے بھی ایک باقاعدہ بلکہ اور فنون کے مقابلے میں زیادہ لطیف اور شائستہ فن ہے،اس لیے بعض اہلِ قلم نے اسے لطیف ترین فن کہا ہے''(۳)

محمد طفیل ایڈیٹر''نقوش''اس بارے میں لکھتے ہیں:

''خط کا فن ایک شخصی فن ہونے کے علاوہ شخصیتوں کا فن بھی بن جاتا ہے آسان ترین فن۔۔۔نازک ترین فن بھی ہے۔اس میں فنی نزاکتوں کی نمود کچھ اس طرح کی مشکل شے ہے جیسے کوئی شے عدم سے وجود حاصل کرتی ہے۔۔۔غرض یہ کہ خط نگاری اصلاً فنِ لطیف بلکہ لطیف ترین فن ہے۔۔۔''(۴)

مکتوب کی صنف بہت حد تک فنی جکڑ بندیوں سے آزاد ہے اس میں ہر بات کی گنجائش ہے۔مکتوبات کے دائرے میں وہ تمام موضوعات سموئے جا سکتے ہیں جن کا تعلق انسان کے ذہنی ارتقا اور زندگی کے مختلف گوشوں سے ہوتا ہے۔ان کے ذریعے مذہب،ادب اور سائنس کے ہر شعبہ پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔خط میں کوئی مرکزیت نہیں ہوتی۔باتیں بدلتی رہتی ہیں۔لہجے میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے اور گفتگو میں نرمی و گرمی آتی رہتی ہے۔مگر کچھ اصولوں اور شرائط کے ساتھ۔اس بارے میں ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

''خط نگاری اصلاً فنِ لطیف نہ ہو تو بھی بعض اوقات فن کے درجہ اعلیٰ تک پہنچ جاتی ہے۔اس لحاظ سے فنِ خط نگاری پر نظر ڈالی جائے تو اچھی اور بامذاق خط نگاری کی کچھ خاص شرائط سامنے آتی ہیں۔''(۵)

مکتوب نگاری کی صنف اگرچہ فنی جکڑ بندیوں سے کافی حد تک آزاد ہے۔لیکن ادبی مکاتیب اپنی داخلی کیفیات اور

خصوصیات کے لحاظ سے دیگر اصنافِ ادب سے ممتاز ہیں۔ ان کیفیات کو مکاتیب میں اجاگر کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اس لحاظ سے دیگر اصنافِ ادب کی طرح مکاتیب کو بھی ایک صنف کا درجہ حاصل ہے اور اس کے بھی کچھ اصول وضوابط بن گئے ہیں۔ ان اصول وضوابط کو سامنے رکھتے ہوئے ماہرینِ فن نے مکتوب کی دو اقسام بیان کی ہیں۔

(۱) کاروباری یا دفتری مکتوب (رسمی)

(۲) نجی یا ذاتی مکتوب (غیر رسمی/ خاص)

سرکاری دفتری یا کاروباری مکتوب کا ضابطہ متعین ہوتا ہے۔ اس طرح کے مکاتیب نجی مکاتیب کی مانند آزادی کے ساتھ نہیں لکھے جا سکتے۔ مخصوص القاب وآداب، ابتدائیہ اور مطلب ومتن کے لیے مخصوص مروجہ الفاظ اور اندازِ بیان کے بندھن سے بندھے ہوتے ہیں اور مقصد کو جامع اور مختصر الفاظ میں ادا کرنا ہوتا ہے۔ نجی یا ذاتی مکتوب لکھنا آسان ہے لیکن اس کے لیے بھی کچھ باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ مثلاً القاب، آداب، ابتدائیہ، مطلب ومتن اور خاتمہ لیکن ذیلی عنوان کے تحت مکتوب نگار جس طرح چاہے اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا ہے۔

ادبی صنف کے لحاظ سے مکتوب نگاری میں موضوع اور ہیئت دونوں کا خیال رکھنا لازم ہوتا ہے۔ مکتوب نگاری کی روایت زیادہ تر نثری مکاتیب سے ہی وابستہ رہی ہے گو نظم میں بھی کچھ مکتوبات لکھے گئے ہیں۔ مکتوب کی بنیادی صفات میں ایجاز واختصار اور سادگی شامل ہے کہ زیادہ تصنّع اور بناوٹ مکتوبات کو بوجھل بنا دیتے ہیں۔ کیوں کہ مکتوب اپنے ادبی حسن کے لحاظ سے ایک نہایت ہی نازک فن ہے جہاں غیر ضروری تکلف اور بناوٹ اور طوالت کی گنجائش نہیں مکتوب میں جو بھی تحریر کیا جائے وہ بے ساختہ، برجستہ اور مختصر ہونا چاہیے۔

اچھے مکتوب کی خوبی اس کی لطافت بھی ہے۔ مکتوب کا موضوع چاہے جو بھی ہو لیکن اچھے مکتوب نگار کے یہاں تمام باتیں کچھ ایسے انداز میں بیان ہوتی ہیں کہ ایک لطیف کیفیت کا احساس پیدا کر دیتی ہیں۔ گو مکتوب نگاری کے لیے کوئی اسلوب مقرر نہیں ہے مگر عام طور پر ذاتی مکتوب کی زبان سلیس اور اسلوب بالکل سادہ ہوتا ہے۔ اسلوب کے علاوہ املا، انشا، تاریخ، سن، مقامِ تحریر اور مکتوب نگار کا نام لکھنے کا طریقہ۔ ان سب باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکتوب نگار کو بلاغت کے اصولوں سے کس حد تک واقفیت ہے اور زبان پر کتنی قدرت حاصل ہے۔ موضوع اور اسلوب کے بارے میں ڈاکٹر مسکین علی حجازی لکھتے ہیں:

> ''مکتوب نگاری کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ اسلوبِ تحریر، الفاظ کا انتخاب، جملوں کی ساخت سب کا موضوع کے ساتھ تعلق ہو۔ ایک موضوع ایسا ہے کہ جس کا مقصد قاری میں انبساط پیدا کرنا ہے۔ دوسرا موضوع ایسا ہو سکتا ہے جس کا مقصد قاری کے احساسات کو جھنجھوڑنا ہے دونوں موضوع مختلف اسالیب کے متقاضی ہیں۔ مکتوب کی پچاس فیصد کامیابی کا انحصار اس کے اسلوبِ بیان پر ہوتا ہے۔''(۶)

مکتوب نگاری کی اہمیت، افادیت اور دائرہ کار

مکتوبات زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ مکتوباتی ادب تاریخِ نثر کا ایک اہم جزو ہے۔ اس کا دائرہ کار نثر سے متصل بھی ہے اور اس سے الگ بھی۔ نجی مکاتیب کی اہمیت اس بنا پر بھی ہوتی ہے کہ کسی دور کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کرنے کا بہترین وسیلہ ہوتے ہیں۔ یہ لوگوں کی زندگی، ان کے مسائل اور پسند ناپسند کے بارے میں بہترین مواد فراہم کرتے

ہیں۔مکتوب نگاری چونکہ ادب کی سب سے آسان اور وسیع صنف ہے اس لئے یہ کافی پروان چڑھی۔باہمی تعلقات میں مکاتیب کی جو اہمیت ہے اسے آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔اس فن پر بات کرنا دراصل معاشرت کے تمام گوشوں کو سمیٹنا ہے۔ ڈاکٹر شجاعت علی مکتوبات کی گوناگوں اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''فنکار کی شخصیت جس طرح ان کے خطوط میں بے نقاب ہو جاتی ہے کسی اور صنفِ ادب میں ممکن نہیں۔خطوط اس کی شخصیت کا آئینہ بھی ہوتے ہیں اور ایکس رے (X-ray) بھی بلکہ جن باتوں کو آئینہ اور ایکس رے پیش کرنے سے قاصر رہتے ہیں خطوط ان کو بھی ظاہر کر دیتے ہیں۔آئینہ زیادہ سے زیادہ ظاہری شکل وصورت کو پیش کر دیتا ہے اور ایکس رے اندرونی ساخت کا۔لیکن جذبات واحساسات، شمائل وخصائل اور اسی قسم کی دوسری خصوصیات کی عکاسی ان کے بس کی بات نہیں۔خطوط میں انسان کی ظاہری اور باطنی تمام باتوں کا عکس آ جاتا ہے اس لیے خطوط کو ادب العالیہ میں سب سے بہتر تسلیم کیا جاتا ہے۔''(۷)

کسی شخص کی دیگر تصانیف اور تقاریر سے زیادہ اس کے مکاتیب اہمیت رکھتے ہیں۔مکاتیب اصلی اخلاق کا آئینہ ہونے کے ساتھ ایک قابلِ غور خود نوشتۂ سوانح عمری کا کام بھی دیتے ہیں۔سوانح نگاری کے ساتھ مکاتیب فن تاریخ نویسی کے بھی بہترین ماخذ ہوتے ہیں۔ڈاکٹر خلیق انجم مکاتیب کی اس اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مکتوب نگاری شخصی چیز ہے۔جس میں مکتوب نگار کی آواز ابھرتی ہے۔سوانح نگاری کے بہترین ماخذ خطوط ہیں۔فنکار کے خاندانی حالات اور اس کے عقائد ونظریات کا پورا علم اس کے خطوط سے ہوتا ہے۔فن تاریخ نویسی کے لیے بھی مکتوب نگاری سودمند ہے۔''(۸)

کسی بھی انسان کی گفتگو اس کی شائستگی کی علامت ہوتی ہے۔لیکن شائستگی اور تہذیب کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کو مکتوب نگاری کا سلیقہ کہاں تک آتا ہے؟ اسلامی تہذیب نے دورِ عروج میں مکاتیب اور مراسلت کو اس درجہ اہمیت دی کہ جو شخص مکتوب نگاری کے آداب ورسوم سے زیادہ واقف ہوتا وہ سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں کا مستحق قرار پاتا تھا کیوں کہ اس کو شائستہ ترین سمجھا جاتا تھا۔مکاتیب کی سیاسی اور دفتری اہمیت کے ساتھ عام مکتوب نگاری کی اہمیت پر ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

> ''یہ انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے۔دنیا میں شائد ہی کوئی ایسا انسان ہو گا جسے کبھی خط لکھنے یا لکھوانے کی ضرورت پیش نہ آئی ہو۔خط سے بڑھ کر کوئی ادارہ جمہوری یا بنیادی طور پر اجتماعی نہیں ہو سکتا۔اس ادارے کی وسعتوں کا یہ عالم ہے کہ یہ ایک عام کاروباری پیغامی تحریر سے لے کر ادب عالیہ کے رتبے تک پہنچ سکتا ہے۔۔۔''(۹)

مکتوب میں لکھی گئی چھوٹی چھوٹی باتیں، جذبات کا اظہار، احساسات کی گہرائی اور خلوص کا مظہر ہوتی ہیں اور مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے باہمی تعلقات کی غمازی کرتی ہیں۔اس لیے ذاتی یا نجی مکاتیب عموماً مکتوب نگار کی شخصیت اور اس کے ذاتی عقائد وخیالات کو سمجھنے میں ہر چیز سے زیادہ مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ان کی حیثیت ''آپ بیتی'' کی سی ہوتی ہے۔مکاتیب کی دلچسپی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعے پڑھنے والا لکھنے والے کے بہت قریب ہو جاتا ہے۔مکاتیب کی اہمیت تخلیقی کارناموں سے کم نہیں ہے۔جس طرح ادب کی دوسری اصناف سخن کا مطالعہ دلچسپی سے کیا جاتا ہے اسی طرح مکاتیب بھی دلچسپی

سے پڑھے جاتے ہیں۔ مکاتیب کے اسی پہلو کے بارے میں غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

''بعض اکابر کی گراں قدر تصانیف کے مطالعے سے کم تر اصحاب مستفید ہوتے ہیں لیکن مکاتیب کو اس سے زیادہ شوق سے پڑھا جاتا ہے کہ ان کے مطالب میں تصانیف کی متانت و یک رنگی کی بجائے تنوع اور بوقلمونی کی گل افشانیاں ہوتی ہیں۔۔۔ان میں استفادہ بیشتر ہوتا ہے اور زحمت کمتر۔''(۱۰)

مکتوب نگاری کی تاریخ

مکتوب کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود تحریر کی تاریخ ہے۔ کاغذ کی ایجاد سے پہلے بھی مکتوب لکھے جاتے تھے مثلاً پتوں، چمڑے، مٹی اور پتھر کی تختیوں پر لکھ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجے جاتے تھے۔ تہذیب وتمدن کے ارتقائی دور کے ساتھ جب تحریری سلسلے آگے بڑھے تو مکتوب نگاری بھی اس کے ذیل میں ارتقائی مراحل طے کرتی گئی۔ مکتوب نگاری کے آغاز پر سید مظفر حسین برنی ''کلیات مکاتیب اقبال'' کے مقدمے میں اس طرح رقم طراز ہیں:

''خطوط نویسی یا نامہ نگاری کا آغاز اسی زمانے میں ہو گیا ہو گا جب انسان نے رسم الخط ایجاد کیا اور لکھنا سیکھا۔ چنانچہ تقریباً تین ہزار سال قبل کی تین سو مٹی کی لوحیں ایسی نکلی ہیں جن پر مصر کے فراعنہ کے نام سے خطوط کندہ ہیں(۱۱) یہ ۱۸۸۷ء میں سمرنا (عراق) کے مقام پر کھدائی کے دوران دریافت ہوئیں۔''(۱۲)

مکتوب نگاری کا اولین نمونہ

یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ پہلا خط کب اور کس زبان میں تحریر ہوا۔ قرآن پاک کی بعض تفاسیر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کے نام خط کا ذکر ملتا ہے جب وہ عزیز مصر بنائے گئے۔ مگر چوں کہ اس خط کا متن سامنے نہیں اس لیے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ اس کی شکل کیا رہی ہوگی۔ حقیقت میں خط کا اولین نمونہ اس خط کو کہا جا سکتا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کو ارسال کیا تھا۔ یہ خط اپنے متن کے ساتھ قرآن مجید میں موجود ہے۔ اس لیے اس کے مستند و معتبر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر یوں ہے:

اذْهَب بِّكِتَابِي هَذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ(۱۳)

(میرا یہ خط لے جا اور اسے ان کی طرف ڈال دے پھر ان کے پاس سے ہٹ آ پھر دیکھ وہ کس بات کی طرف رجوع کرتے ہیں)

مغرب میں مکتوب نگاری کی تاریخ

یونان کے شاعر ہومر (Homer) اور مورخ ہیروڈوٹس (Herodotus) کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم یونان میں بھی خط وکتابت کا رواج تھا۔ دور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تو مکتوب نگاری کا رواج عام تھا۔ جناب عبداللہ یوسف علی نے یونان میں تحریر کردہ خطوط کی بابت معلومات درج کی ہیں۔ ان کے مطابق سینٹ پیٹر (Peter Saint) اور سینٹ پال (Paul Saint) نے حضرت عیسیٰ کے بعد ۶۱ء میں مکتوب تحریر کیے تھے۔(۱۴) سید سلیمان ندوی اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کے حواریوں کے خطوط کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عیسائیوں میں مقدس حواریوں کے خطوط کی خاص اہمیت ہے۔وہ مجموعۂ اناجیل کے ضروری جزو خیال کیے جاتے ہیں اور قبولیت کے ہاتھوں سے لیے اور ادب کی آنکھوں سے پڑھے جاتے ہیں۔''(۱۵)

قدیم یونانی نہ صرف مکتوب نگاری سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے بلکہ اس سے دلچسپی اور شوق بھی رکھتے تھے۔یونان ہی کی طرح روم کی مکتوب نگاری بھی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ڈاکٹر خلیق انجم روم کی مکتوب نگاری کے متعلق لکھتے ہیں:

''انسانی تاریخ میں یہ اعزاز اہلِ روم کی قسمت میں لکھا تھا کہ وہ مکتوب نگاری کو باقاعدہ فن بنائیں۔ادبی مؤرخ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اس دور میں روم کے قابل اور پڑھے لکھے لوگ بہت دور واقع صوبوں کی گورنری کے لیے بھیجے جاتے تھے۔اپنے صوبوں کے حالات بتانے اور روم کے حالات جاننے کے لیے خط و کتابت کی اشد ضرورت تھی۔سسرو اسی عہد کا مکتوب نگار ہے۔''(۱۶)

یونہی یونان اور روم کی مکتوب نگاری کی تاریخی اہمیت ہے۔بہت سے مکاتیب افلاطون(Plato)ارسطو (Aristotle) ایپکیورس (Epicurus) سے بھی منسوب کیے جاتے ہیں۔پلوٹارک(Plutarch) کے مکتوب بھی مشہور ہیں۔اہل روم نے مکتوب نگاری کو باقاعدہ فن بنا دیا۔سیسرو(Cicero) کے علاوہ سینیکا بزرگ (Seneca)(Elder) کے مکتوبات قابل ذکر ہیں۔لاطینی میں ہوریس(Horace) نے منظوم مکتوبات لکھنے کی روایت قائم کی۔انگریزی ادب میں ڈاکٹر سموئیل جانسن (Dr.Samuel Johnson)،لارڈ چیسٹر فیلڈ(Lord Chester Field)، ولیم کوپر William (Cooper)، چارلس لیمب (Charles Lamb)، کیٹس (Keats)، شیلے(Shelly)، بائرن (Byron)، براؤننگ (Browning)اور جارج برنارڈ شاہ(George Bernard Shaw) کے مکاتیب قابل ذکر ہیں۔فرانسیسی ادب میں نپولین(Napoleon)، والٹیئر (Voltaire)وکٹر ہیوگو(Victor Hugo)اور گائی دی موپساں (Guy De Maupassant) کے مکتوب خاص مقام رکھتے ہیں۔

اسلام میں مکتوب نگاری

صلح حدیبیہ کے بعد سات ہجری کے آغاز میں رسول اللہ ﷺ نے مختلف حکومتوں کے سربراہان کو دعوتِ اسلام کے لیے مکاتیب بھیجے۔نبی کریم ﷺ جو صاحب جوامع الکلم ہیں اور جوامع الکلم ہونا آپ ﷺ کا ایک عظیم معجزہ ہے۔بے شک آپ ﷺ کا کلام مبارک جامعیت، فصاحت اور بلاغت میں بے مثال ہے۔آپ ﷺ کے مکتوبات مبارکہ آپ ﷺ کے مقدس کلام مبارکہ جامعیت و بلاغت کو بعینہٖ ظاہر کرتے ہیں،ان میں ایک معیاری مکتوب کی تمام فنی خوبیاں یعنی سادگی، ابلاغ، قطعیت، جامعیت، ایجاز اور اختصار وغیرہ بدرجۂ اتم موجود ہیں۔رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفائے راشدینؓ کے مکاتیب میں بھی اس وقت کے عرب انشاپردازی کے بہترین نمونے ملتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ستر سرکاری خطوط ندوۃ المصنفین نے ۱۹۶۰ء میں شائع کیے۔اس سے پہلے ندوۃ المصنفین سے ہی حضرت عمر فاروقؓ کے مکاتیب شائع ہوئے تھے۔حضرت عمرؓ کے دور میں گورنروں کو ہدایات اور اطلاعات مکاتیب کی شکل

میں ہی روانہ کی جاتی تھیں۔حضرت عمر فاروقؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپؓ نے مکاتیب فرامین کے ذخائر کو محفوظ کرنے اور ان کی ترتیب وتدوین کی عرض سے باقاعدہ ''دارالانشاء'' قائم کیا۔اس کا مرکزی شعبہ مدینہ طیبہ میں تھا۔باقی تمام صوبوں میں سرکاری سطح پر ایسے ہی مراکز وشعبے قائم کیے گئے۔حضرت عثمان غنیؓ کے مکاتیب بھی ملتے ہیں۔ان مکاتیب کو پروفیسر خورشید فاروقی،شعبہ ادبیات عربی، دہلی یونیورسٹی نے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا۔حضرت علی کرم رضی اللہ عنہ کے مکاتیب جو نہایت شستہ فصیح زبان میں اور بہت مؤثر اور بامعنی ہیں۔''نہج البلاغہ'' کے نام سے شریف علی بغدادی نے شائع کروائے۔یہ تمام مکاتیب اسلامی تاریخ میں دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بنو امیہ اور بنو عباس کے ادوار میں اس فن پر باضابطہ توجہ دی گئی۔بطور فن اس شعبے نے مزید ترقی کی اور ''دیوان الانشاء'' کے نام سے باقاعدہ ایک شعبہ کا قیام عمل میں آیا۔مکتوب نگاری کے فن پر باقاعدہ کتب لکھی گئیں۔مکاتیب کی ہیئت،اقسام اور مفاہیم متعین ہوئے اور مکتوب نویسی باقاعدہ ایک فن کا درجہ اختیار کرنے لگی۔عربی مکتوب نویسی کی تاریخ میں عبدالحمید بن یحییٰ الکاتب (متوفی ۱۳۲ھ) کا نام سرِفہرست ہے۔انھوں نے مکاتیب کے مضمون،اور القاب وآداب میں جدت وندرت پیدا کی۔عربی زبان وادب میں عبدالحمید بن یحییٰ پہلے ایسے مکتوب نگار ہیں جن کے خطوط نجی اور ذاتی حیثیت کے ہیں اور ادبی حیثیت سے ترقی یافتہ شکل میں سامنے آتے ہیں۔

اس کے بعد عربی میں جن بزرگوں کو سرکاری انشاء نگاری کے باعث خاص شہرت حاصل ہوئی ان میں الحسن بن سہل،ابواسحٰق الصابی،ابن العمیر ،صاحب ابن عباد،القاضی الفاضل،العماء الاصفہانی،اور ضیاء الدین ابن الاثیر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔پھر وہ رسائل جو ''اخوانیات'' کے ذیل میں آتے ہیں تو ان کے ''منشیوں'' یا کاتبین میں الجاحظ ،الخوارزمی، بدیع الزمان،قابوس بن وشمگیر ،المعری،ابن زیدوں،ابن الخطیب وغیرہ کو خصوصی شہرت حاصل ہے۔

ایران میں مکتوب نگاری

عربی کی طرح فارسی میں بھی مکتوبات کا گراں قدر ذخیرہ موجود ہے۔ایرانی بادشاہوں نے ہر دور میں مکاتیب لکھے۔ایران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو سال قبل ''سائیرس مانس'' نامی بادشاہ نے مکاتیب لکھے۔مشہور ساسانی بادشاہ نوشیرواں کے مکاتیب ''توقیعات نوشیرواں'' کے نام سے جمع ہوئے ہیں۔سامانی اور غزنوی ادوار میں ایران میں خط وکتابت کا ایک باقاعدہ محکمہ ''دارالانشاء'' کھل گیا تھا۔جس کا ذکر نظامی عروض سمرقندی نے ''چہار مقالہ'' میں بھی کیا ہے۔مکتوب نگار کو پہلے کاتب کہا جاتا تھا لیکن اب فارسی زبان کے زیراثر ان کو دوست دار، دبیر اور منشی کہا جانے لگا۔دارالانشاء میں باقاعدہ منشی یا دبیر کے تقرر ہوتے تھے۔فارسی مکتوبات کا بڑا ذخیرہ درباروں اور خانقاہوں کے متعلق دستیاب ہوتا ہے۔فارسی میں بزرگان دین کے مکتوبات میں حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کے مکاتیب ملتے ہیں جن میں رموز تصوف اور مسائل وحدانیت پر مختلف طرح سے اظہار خیال کیا گیا ہے۔مولانا عبدالرحمٰن جامی کے مکاتیب ''انشائے جامی'' یا ''رقعات جامی'' کے نام سے جمع ہوئے۔

برصغیر میں مکتوب نگاری

ہندوستان میں سب سے پہلے خط کا رواج چندر گپت موریا (۳۲۲-۲۹۸ق م)(۱۸) کے دور میں ہوا۔کوٹلیہ چانکیہ (۳۷۰-۲۸۳ق م)(۱۹) کی کتاب ''ارتھ شاستر'' (۲۰) کے مطابق چندر گپت موریہ کے دربار میں مکاتیب کی آمدورفت

عام بات سمجھی جاتی تھی۔ (۲۱) پھر ہندوستان میں اسلام کی آمد کے بعد مختلف صوفیا کرام نے اپنی خانقاہوں سے فارسی زبان میں بے شمار مکاتیب لکھے۔ یہ مکاتیب اپنی انفرادیت وافادیت کے ساتھ متنوع اسالیب کے ترجمان ہیں۔ فارسی ادب میں بزرگان دین اور صوفیا کرام کے مکاتیب کا خطیر سرمایہ ملتا ہے۔ قدامت کے لحاظ سے مجدد الدین ابوالفتوح احمد طوسیؒ اور عبداللہ بن علی میاں جی ہمدانی کے سامنے آتے ہیں۔

اکبر کے نورتنوں میں ابوالفضل کے ''مکاتیب ابوالفضل'' اسلوب کے اعتبار سے ایک منفرد مقام کے حامل ہیں جو صنائع وبدائع سے بھرپور ہیں۔ اس کے مکاتیب کے دو مجموعے ''مکاتیب علامی'' اور ''رقعات شیخ ابوالفضل'' قابل توجہ ہیں۔ ان کی اہمیت کے باعث یہ مختلف نصابوں میں بھی شامل رہے ہیں۔ سترہویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں فن مکتوب نگاری پر کتب بھی لکھی گئیں۔ خصوصاً منیر لاہوری کی ''انشائے منیری'' چندر بھان برہمن کی ''چہار چمن'' اور ''منشات برہمن'' اور مادھوراؤ کی ''انشامادھوراؤ''۔ ان تینوں کتب کو ملا کر ''نشاءت ومنشاءت'' کہتے ہیں۔ (۲۲) اورنگ زیب عالمگیر کے فارسی مکاتیب کے مجموعے ''رقعاتِ عالمگیری'' اور ''کلیاتِ طیبات'' منظر عام پر آ چکے ہیں۔ یہ مکاتیب عالمگیر نے اپنے بیٹوں اور قریبی امرا کے نام لکھے تھے۔

اُردو میں مکتوب نگاری کا آغاز وارتقا

مسلمانوں کی آمد نے برصغیر پاک وہند کو بیشمار فائدے پہنچائے۔ اس میں اہم ترین فائدہ ایک مشترک اور مقبول عام زبان ہے۔ جس میں درجنوں زبانیں اور سیکڑوں بولیاں شامل ہیں۔ جب مسلمان برصغیر میں آئے تو ان کی مذہبی وعلمی زبان ''عربی'' تھی۔ لیکن اس کا عام بول چال اور روزمرہ ضروریات سے تعلق نہ تھا۔ ''ترکی'' زبان بھی بولی جاتی تھی مگر صرف امرا اور شاہی خاندان تک محدود تھی۔ برصغیر کی دفتری، کاروباری، درباری اور تعلیمی زبان فارسی تھی۔ جب فارسی زبان ہندوی زبان سے ملی تو اس پیوند سے ایک نئی مخلوط زبان وجود میں آئی۔ ابتداً یہ دہلوی، ہندی یا ہندوی کہلائی۔ یہ عوامی بولی تھی اس لیے اسے کھڑی بولی کے نام سے بھی موسوم کیا گیا۔ اس زبان کی زمین پنجاب میں تیار ہوئی۔ اس نے دہلی میں خاص حالات میں ایک نئی بولی کا روپ دھارا۔ دوسری بولیوں سے ممتاز کرنے کے لیے اسے ''ریختہ'' کا نام دیا گیا یعنی ملی جلی زبان۔ اس میں عربی، فارسی، ترکی، سنسکرت اور مقامی زبانوں کے الفاظ شامل تھے۔

سلطنت دہلی کے لشکروں کی بدولت یہ زبان گجرات، دکن، پنجاب اور دوسرے علاقوں میں پہنچی۔ ابتدا میں ریختہ صرف منظوم کلام کے لیے استعمال ہوئی۔ بعد میں اسے عام زبان کے لیے بھی استعمال کیا جانے لگا۔ پھر اسے ''اردو'' کا نام دیا گیا۔ ''اردو'' ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی لشکر کے ہیں۔ اردو نثر کے ابتدائی نمونے پندرھویں صدی سے ملنے شروع ہوئے۔ اس زمانے کے جو مخطوطات دستیاب ہوئے ہیں ان میں کچھ داستانیں ہیں اور باقی اخلاق اور تصوف کے موضوع پر ہیں۔ اردو کا یہ ابتدائی نثری سرمایہ دوسری زبانوں اور خصوصاً فارسی سے ترجمہ کیا ہوا یا ماخوذ ہے۔

اردو نثر کی ابتدا سے ہی مکاتیب اپنی مختلف ہیئتوں اور اسالیب کے ساتھ سامنے آجاتے ہیں۔ جو اپنے الگ انداز بیان اور اصل مقصد کی غمازی وترجمانی بھی کرتے ہیں۔ موجودہ دور تک مختلف تحریری رجحانات اور اسلوب مکاتیب کے ذریعہ ہی سامنے آئے ہیں۔ ان رجحانات واسالیب میں مکتوب نگاری کے آداب اور علمی وادبی، سیاسی وسماجی اور نجی مسائل بھی شامل ہیں۔ اردو مکاتیب ابتدا سے ہی فارسی زبان اور اس کے اسالیب گفتگو سے متاثر نظر آتے ہیں کیونکہ اردو کے قدیم علماء، ادبا اور شعرا

فارسی میں ہی مکتوب لکھا کرتے تھے۔ان کے پیش نظر فارسی مکتوب نگاری کی ایک عظیم روایت رہی ہے۔اردومکتوب نگاری فارسی مکتوب نگاری کے زیرِ اثر پروان چڑھی ہے۔فارسی نظام روایت کے زیرِ اثر ہی اردومکتوبات کے اپنے خدوخال متشکل ہوئے اور اردو مکاتیب میں زیادہ تر انہیں روایات وتکلفات کا اظہار ہوتا رہا جو فارسی مراسلت کے امتیازات سمجھے جاتے ہیں۔(۲۳)اس کی بنیادی وجہ یہ بھی رہی ایک طویل عرصہ تک فارسی زبان کو دفتری زبان کی حیثیت حاصل رہی۔

اٹھارویں صدی کی آخری دہائیوں میں انگریزی زبان نے برصغیر کے لسانی منظرنامے میں اپنے وجود کا احساس دلانا شروع کیا۔دراصل سولہویں صدی عیسوی میں یورپ کے مختلف ممالک سے برصغیر میں تجارتی کمپنیاں آنے لگیں اوران ممالک سے ہندوستان کے تجارتی روابط قائم ہونے لگے۔ہندوستان سے رابطے کے لیے کمپنی کے بعض افراد کو اردو سیکھنا پڑی۔اس کے لیے اردو لغت اور قواعد تیار کیے گئے تاکہ ان کو یہ زبان سیکھنے میں آسانی ہو۔انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں انگریزوں نے فارسی کی بجائے کاروباری اور دفتری زبان میں انگریزی اور اردو کا استعمال شروع کیا۔یوں عام خط وکتابت انگریزی کے علاوہ اردو میں بھی کی جانے لگی۔دیگر اصناف کی مانند اس تغیراتی دور میں مکتوباتی ادب میں بھی تبدیلی ہوئی۔ادب کی یہ تبدیلی اگر ایک طرف سماجی، سیاسی اور معاشرتی حالات کا نتیجہ تھی تو دوسری طرف ہمارے ادبی شعور اور اس کے اظہار کے سلسلے میں نئے رجحان کی ترجمانی بھی کر رہی تھی۔

اگر ہم جدید مکتوب نگاری کے آغاز کے پس منظر پر نظر ڈالیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح اردو نثر نے ترقی کے مراحل طے کیے۔نصف انیسویں صدی عیسوی کا ہندوستان بعض اعتبار سے افراتفری کا عہد رہا ہے۔ہر شعبہ زندگی میں انقلاب برپا ہو رہا تھا۔ذہنی انقلاب کے اثرات زبان وادب پر بھی پڑے اور نئے اسالیب تحریر ہوئے جو اس معاشرے کے افراد کی ذہنی نہج کہلاتی ہے۔لوگوں کے ذہن فارسی کے علاوہ سوچنے پر آمادہ ہوئے اور اردو نثر نئے ذہن، جدید رنگ اور زندگی کے بدلتے ہوئے نظام اور ضرورتوں کے تقاضوں میں ڈھلنے لگی۔انگریزوں کو ہندوستانی زبانیں سکھانے کی غرض سے ۴مئی ۱۸۰۰ء کو فورٹ ولیم کالج (۲۴) قائم کیا گیا۔جس کے گہرے اثرات جدید نثر پر مرتب ہوئے۔اردو نثر کے نئے رستے استوار ہوئے۔خلیق انجم اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ’’فورٹ ولیم کالج کی سب سے بڑی دین یہ ہے کہ اس نے اردو نثر کو فارسی کے اثر سے آزاد کیا۔‘‘(۲۵)

اس کالج میں لکھی جانے والی نثر نے یہ احساس عام کیا کہ اردو نثر کو اپنی انفرادیت حاصل کرنے کے لیے عربی اور فارسی کی آمیزش اور محمد شاہی روش (۲۶) سے گریز کرنا ہوگا۔فورٹ ولیم کالج کی خدمات کے باعث اردو نثر میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔فورٹ ولیم کالج کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

> ’’سب سے بڑی خدمت اس کالج کی یہ ہے کہ سلیس نثر کی شاہراہ قائم کر دی۔اگر یہ محکمہ جاری نہ ہوتا تو ارباب علم وادب اس راستے پر آتے لیکن دیر لگتی۔‘‘ (۲۷)

جدید اردو نثر کے ارتقا میں دہلی کالج ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی کا کردار بھی اہم ہے۔یہ سوسائٹی ۱۸۴۳ء میں قائم ہوئی۔اردو نثر کی مقبولیت میں اردو اخبار ورسائل کی اشاعت نے بھی اضافہ کیا۔۱۸۲۲ء میں پہلا اردو اخبار ’’دہلی اردو اخبار‘‘ (۲۸) شائع ہوا۔پھر لیتھوگرافک پریس سے سید محمد صاحب نے ۱۸۳۸ء میں ’’سیدالاخبار‘‘ نکالا۔ان خباروں کی زبان صاف، سادہ اور

سلیس ہوتی تھی۔لیتھوگرافک پریس کے زیرِاہتمام اردو نثر کی کتب کی اشاعت کی رفتار تیز ہوتی گئی۔

مکتوب نگاری کی ترویج میں محکمۂ ڈاک کے قیام نے مزید ترقی کے مواقع فراہم کیے۔اردو میں ادبی نثر کی تاریخ گواہ ہے کہ مختلف اعتبار سے ترقی کرنے کے بعد ہی اردو نثر مکتوب نگاری کے دائرے میں قدم رکھ سکی۔مکتوب نگاری کے فن کو فروغ حاصل ہوا۔اردو نثر میں جو طاقت،ارتقا پذیری کی جو صلاحیت اور نئی توانائی رونما ہوئی اس کا اندازہ اس دور کے اردو مکاتیب سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔انیسویں صدی عیسوی کے نصف سے برصغیر میں تمدنی بیداری اور سیاسی شعور پیدا کرنے کی تحاریک کا آغاز ہوا۔انھوں نے بھی اردو نثر کو نئی وسعتیں عطا کیں۔مذہبی تحریکوں کے زیرِاثر بھی نثر میں جدت کے عناصر اور انقلابی پیرائے رونما ہوئے۔''اردو خطوط نگاری ایک مطالعہ'' میں ڈاکٹر نسرین ممتاز بصیر لکھتی ہیں کہ:

> ''سیاسی شکست وریخت اور سیاسی اتار چڑھاؤ نے معاشرے پر جو جمود وانحطاط کی فضا قائم کردی تھی۔ان کے تدارک کا کام بزرگانِ دین کے ذریعہ علمی صورت اختیار کرسکا۔اردو نثر کے وسیلے سے ان اصحاب نے دینی تعلیمات عام لوگوں تک پہنچانے کی سعی کی جس کے باعث زبان میں سادگی، لطافت، فصاحت وروانی اور مختلف علوم کی اصطلاحات بھی رائج ہوئیں۔'' (۲۹)

انیسویں صدی کے مکاتیب میں جدت کے اسالیب کو پیش کیا جانے لگا۔ان میں رونما ہوتی اہم تبدیلیوں کے بارے میں سید عبداللہ رقم طراز ہیں:

> ''مرزا غالب نے اردو میں خط لکھنے شروع کئے تو ان کے سامنے نثر نگاری کے دو انداز موجود تھے۔ایک وہ پر تکلف انداز جو فارسی انشاپردازی کے تتبع میں اردو میں رواج پاچکا تھا۔دوسرا سادہ طریقہ جس کا فورٹ ولیم کالج کے نثر نگاروں نے رائج کیا۔'' (۳۰)

اردو مکتوب نگاری کے ارتقا میں مرزا قتیل (۳۱) کے مکاتیب اہم مقام رکھتے ہیں ان کے مجموعہ مکاتیب ''معدن الفوائد'' میں اردو کے صرف پانچ مکاتیب ملتے ہیں مگر ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک عام فہم زبان میں خط لکھنے پر قادر تھے۔غلام غوث بے خبر (۳۲) کے دو مجموعہ مکاتیب ''فغانِ بے خبر'' اور ''انشائے بے خبر'' سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت سادگی کا کچھ میلان پیدا ہوا۔مراسلے کو مکالمہ بنانے کا وصف بے خبر اور سرور (۳۳) سے شروع ہوا اور غالب نے اسے درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔سرور کے زمانہ میں معنی سے زیادہ الفاظ کی پذیرائی ہوئی۔انھوں نے جدید الفاظ کا انتخاب کیا۔ان کو لفظ کی تازہ شکلوں اور ان کے نادر استعمال پر قدرت حاصل تھی۔ان کے استعمال کردہ لفظوں میں بہت کم متروک ہوئے ہیں۔

لکھنؤ کے نواب واجد علی شاہ اور ان کی بیگمات کے مکاتیب بھی اردو مکتوب نگاری کے ارتقا میں ایک خاص کردار ادا کرتے ہیں۔غالب اردو کے سب سے بڑے مکتوب نگار ہیں۔غالب شاعری میں جس قدر مشکل پسند تھے مکتوب میں اتنے ہی سہل نگار تھے۔ان کے بے شمار مکاتیب دستیاب ہیں اور کئی مجموعے شائع ہوچکے ہیں ''عودِ ہندی''، ''اُردوئے معلیٰ''، ''مکاتیب غالب'' اور ''مہر غالب'' وغیرہ۔غالب کے بعد مکتوب نگاری کو بہت اہمیت حاصل ہوئی۔اردو نثر کو غالب کی سب سے بڑی دین ان کی مکتوب نگاری ہے۔مکاتیب غالب کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے بعد سے مکاتیب کو اردو نثر کی ایک باضابطہ صنف سمجھا جانے لگا۔ان کے بعد سر سید احمد خان کے خطوط کا مجموعہ ''مکاتیب سرسید'' کے نام سے شائع ہوا۔سرسید کے دور سے اردو مکتوباتی ادب

ایک نئے دور میں داخل ہوا۔اس دور کے مکتوب نگاروں کے مکتوب ایک خاص طرز کی ترجمانی کرتے ہیں۔سرسید کے اکثر رفقا کے مکاتیب کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔جن میں محسن الملک، وقار الملک، محمد حسین آزاد، مولوی نذیر احمد وغیرہ کے مکاتیب اردو مکتوب نگاری کے ارتقا میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

مولانا حالی کے مکاتیب کا مجموعہ ان کے فرزند خواجہ سجاد حسین نے ۱۹۲۵ء میں ''مکاتیب حالی'' کے نام سے شائع کیا۔اب ''مکاتیب حالی'' مرتبہ اسماعیل پانی پتی موجود ہے۔اسی طرح علامہ شبلی نعمانی کے مکاتیب ''مکاتیب شبلی'' کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوئے ہیں۔ایک جلد میں علما و مشاہیر کے نام ان کے مکتوب ہیں اور دوسری میں عطیہ بیگم اور زہرہ بیگم، دو خواتین کے نام مکتوب ہیں۔ان کے علاوہ دیگر مکتوب نگار مثلاً ریاض خیر آبادی، امیر مینائی، اکبر الہ آبادی، اور داغ دہلوی کے خطوط کے مختلف مجموعے قابل ذکر ہیں۔اس دور کے مکتوبات میں ایک خاص طرز نمایاں ہے۔جہاں تاریخ، سوانح نگاری، تحقیق و تنقید، طنز و مزاح نے نثر کو ایک نئی جہت اور وسعت عطا کی، بڑی حد تک رسائل، جرائد اور صحافت کے اثرات بھی مکتوب نگاری نے قبول کیے ہیں۔اس دور کا اہم رجحان عقلیت پسندی ہے۔اس دور کے خطوط فنی نقطۂ نظر سے عبارت آرائی کم ہے۔تکلف کی جگہ سادگی نے لی ہے۔

جنگ عظیم اول کے بعد ذہن و فکر نے جو نئے انقلابات قبول کیے۔اس سے مکتوب نگاری بھی متاثر ہوئی۔یہ دور ۱۹۳۶ء تک جاتا ہے۔اس زمانے میں سرسید کے دور کے خلاف ایک جزیاتی اور رومانوی ردعمل ہوا۔اس دور کے بڑے علمبردار اقبال اور ابوالکلام آزاد ہیں۔ان کے ساتھ الگ الگ حیثیتوں سے مہدی افادی، نیاز فتح پوری، سید سلیمان ندوی، عبدالماجد دریا آبادی اور رشید صدیقی شامل ہیں۔اس دور میں بھی سرسید کا رنگ کہیں کہیں قائم رہا۔اس رنگ کے سب سے بڑے نمائندہ ادیب مولوی عبدالحق اور احسن مارہروی ہیں۔

مولانا آزاد کے نام مکاتیب کے مجموعے ''کاروان خیال''، ''مکاتیب ابوالکلام آزاد''، ''تبرکات آزاد''، ''میر عقیدہ'' اور ''غبار خاطر'' ہیں۔آزاد کی مکتوب نگاری کو ''غبار خاطر'' کے مکاتیب سے بڑی شہرت حاصل ہوئی۔۱۹۳۴ء کے بعد مکتوب نگاری کے آداب و رسوم میں تبدیلی آئی۔کیوں کہ اس وقت تک ملک میں حقیقت نگاری اور نفسیات کے مطالعے کا ذوق بیدار ہو چکا تھا۔خود کو چھپانے کا جو انداز اس سے پہلے کے مکاتیب میں چلا تھا، وہ ترک ہو گیا اور صاف گوئی کا میلان پیدا ہوا۔اب تک مشاہیر کے جو مجموعے شائع ہوئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ بیسویں صدی بڑی تبدیلیوں کی صدی رہی ہے۔

اسی زمانے میں مکاتیب کے جو چار مجموعے شائع ہوئے وہ اردو مکتوب نگاری کے ارتقا میں اہم درجہ رکھتے ہیں۔ان میں ''نقوش زنداں'' (سجاد ظہیر)، ''زیر لب'' و ''حرف آشنا'' (صفیہ اختر)، ''عزیزم کے نام'' (ڈاکٹر محمد دین تاثیر) اور ''گویا دبستان کھل گیا'' (چوہدری محمد علی) شامل ہیں۔یہ چاروں مجموعے جدا جدا ہیں مگر جدید ترین مذاق کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔اسی زمانے میں مجنوں گورکھپوری کے مکاتیب کا مجموعہ ''پردیسی کے خطوط''، خواتین کے مکتوب کا مجموعہ ''مکاتیب جمیل'' (مرتبہ ربیعہ سلطان) اور انتظام اللہ شہابی نے واجد علی شاہ کی بیگمات کے مکاتیب مرتب کر کے ''بیگمات اودھ کے خطوط'' کے نام سے شائع کروایا۔پھر ''خاموش آواز'' کے نام سے جاں نثار اختر کے خطوط کا مجموعہ شائع ہوا۔نیر مسعود کے خطوط کا مجموعہ ''خطوط مشاہیر'' کے نام سے منظر عام پر آیا۔بیسویں صدی کے آخر میں عابد حسین کے خطوط کا مجموعہ ان کی بیگم صالحہ حسین نے مرتب کر کے ''آواز دوست'' کے نام سے شائع کروایا۔

۲۰۰۱ء میں ''دامانِ باغباں'' کے نام سے خطوط کا مجموعہ سامنے آیا جسے قرۃ العین حیدر نے مرتب کیا۔شمس الرحمن فاروقی کے مکاتیب کبیر احمد جائسی نے مرتب کر کے ۲۰۰۴ء میں شائع کیے۔''خطوطِ مشاہیر بنام احمد رضا'' ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے ۲۰۰۷ء میں چھپوائے۔''مشاہیر کے خطوط بنام تنویر احمد علی'' ڈاکٹر شاہد حسین نے شائع کروائے۔احمد فاروقی کے خطوط گوپی چند نارنگ نے مرتب کر کے ۲۰۰۷ء میں ہی شائع کروائے۔رشید حسن خان کے مکاتیب ٹی۔آر۔رینا نے ۲۰۱۱ء میں شائع کروائے۔یوں اردو مکتوب نگاری نے اپنے ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے دورِ حاضر میں قدم رکھا۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ عبداللہ،سید،ڈاکٹر،وجہی سے عبدالحق تک،لاہور:مکتبہ خیابانِ ادب،۱۹۷۷ء،ص ۲۸۴۔۲۸۵

۲۔ سجاد حسین،خواجہ،مرتب:مکتوباتِ حالی،مقدمہ مولوی عبدالحق،پانی پت:حالی پریس،۱۹۲۵ء،ص:۱۰

۳۔ خلیق انجم،ڈاکٹر،غالب کے خطوط،نئی دہلی:غالب انسٹی ٹیوٹ،۲۰۰۰ء،ص:۱۳۴

۴۔ محمد طفیل،ایڈیٹر،نقوش (مکاتیب نمبر)،شمارہ ۶۵۔۶۶،لاہور،نومبر ۱۹۵۷ء

۵۔ عبداللہ،سید،ڈاکٹر،وجہی سے عبدالحق تک،ص:۲۸۵

۶۔ حجازی،مسکین علی،ڈاکٹر،مکتوب نگاری کا فن،اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان پاکستان،۱۹۸۹ء،ص:۱۳

۷۔ محمد نعیم صدیقی،ڈاکٹر،جگر کے خطوط،لکھنؤ:مکتبہ فردوس،۱۹۸۵ء،ص:۲۱۲

۸۔ خلیق انجم،ڈاکٹر،مکتوب نگاری کا فن،دہلی:انجمن ترقی اردو ہند،۱۹۹۸ء،ص:۶۵

۹۔ عبداللہ،سید،ڈاکٹر،وجہی سے عبدالحق تک،ص ۲۸۳

۱۰۔ غلام رسول مہر،علم وادب میں خطوط کا درجہ،مشمولہ:نقوش،مکاتیب نمبر،شمارہ ۶۵۔۶۶،لاہور،نومبر ۱۹۵۷ء،ص:۱۴

۱۱۔ تل السمر نا کے مقام پر مٹی کی جو الواح دستیاب ہوئیں ہیں ان پر خط سریانی میں عبارات درج ہیں جن سے مصر اور اس کے باج گزار ممالک کے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔(دیکھیے:شاداب تبسم،ڈاکٹر،اردو مکتوب نگاری،ص:۳۵)

۱۲۔ مظفر حسین برنی،سید،کلیاتِ مکاتیب اقبال،جلد اول،دہلی:اردو اکادمی،۱۹۹۴ء،ص:۲۶

۱۳۔ النمل:۲۷

۱۴۔ شاداب تبسم،ڈاکٹر،اردو مکتوب نگاری،ص:۳۶

۱۵۔ مہدی بیگم،مرتب:مکاتیب مہدی،لکھنؤ:اترپردیش اردو اکادمی ۱۹۸۲ء،ص:۳

۱۶۔ خلیق انجم،ڈاکٹر،مرتب:مقدمہ غالب کے خطوط،اشاعت اول،۱۹۸۲ء،ص:۱۳۴

۱۷۔ مغربی مکتوب نگاری میں سیسرو (Cicero) (م ۴۳ ق م) کو پہلا مکتوب نگار مانا جاتا ہے۔یہ رومن عہد کا نامور سیاسی مفکر تھا۔

۱۸۔ چندر گپت،موریا خاندان کا بانی اور ہندوستان کا پہلا حکمران۔اپنی ماں موریا کے نام سے مشہور ہوا،چندر گپت نے نندا خاندان کا خاتمہ کر کے موریا سلطنت (۳۲۳۔۱۸۵ ق م) کی بنیاد رکھی،تقریباً ۲۴ سال حکومت کی۔اس کا دارالحکومت پاٹلی پتر (موجودہ پٹنہ،صوبہ بہار) تھا۔اس نے شمالی ہند کی ریاستوں کو زیر کر کے ایک متحدہ حکومت کی بنیاد رکھی اور اپنی مملکت کو خلیج بنگال سے بحیرہ عرب تک وسیع کیا۔

۱۹۔ کوٹلیہ چانکیہ چندر گپت موریا کا اتالیق اور وزیر اعظم تھا۔اصل نام وشنو گپت تھا۔اپنی عقل مندی و دانائی کی وجہ سے میں چانکیہ کہلایا۔نہایت کُٹِل (حاسد) تھا اس لیے کوٹلیہ کے نام سے بھی مشہور ہوا۔سلطنت ''موریا'' کی وجہ بنیاد اسی کے مشورے رہے۔سیاست پر ایک کتاب

''ارتھ شاستر'' بھی لکھی۔

۲۰۔ ارتھ شاستر، آچاریہ چانکیہ کی بہت ہی مشہور کتاب ہے۔اس میں چانکیہ نے قدیم ہندوستانی تمدن کے ہر پہلو کو موضوع بنایا ہے۔علوم و فنون،معیشت، سیاسیات، ازدواجیات،صنعت وحرفت،قوانین، رسوم ورواج،توہمات، ادویات،فوجی مہمات، سیاسی وغیر سیاسی معاہدات اور ریاست کے استحکام وغیرہ تمام موضوعات پر مشتمل ہے۔پھر چندر گپت موریہ کے حالات کو بھی بہت خوبی سے قلم بند کیا ہے۔محققین کے مطابق ''ارتھ شاستر'' (۳۱۱۔۳۰۰ق م) کے دوران لکھی گئی۔

۲۱۔ ذبیح اللہ، ڈاکٹر، فارسی نثر کی تاریخ،نئی دہلی: مطبع اعلیٰ پریس، ۱۹۸۱ء، ص: ۱۴۳

۲۲۔ قمر انیس الحق، پروفیسر، مکتوب نگاری کی روایت، مشمولہ: سیاست، روزنامہ، حیدر آباد(دکن)، اپریل ۲۰۱۶ء، ص: ۲۲

۲۳۔ سکسینہ، رام بابو، تاریخ ادب اردو، مترجم: مرزا محمد عسکری، لکھنؤ: تیج کمار بک ڈپو، س ن، ص: ۴

۲۴۔ لارڈ ولزلی نے حکام سے منظوری کے بعد ۱۰۔جولائی ۱۸۰۰ء کو فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے قیام کا اعلان کیا۔اس شرط کے ساتھ کہ اس کا یوم تاسیس ۴۔مئی ۱۸۰۰ء تصور کیا جائے کہ یہ دن سلطان ٹیپو شہید کے دارالحکومت سرنگا پٹم کے سقوط کی پہلی سالگرہ کا دن تھا۔کالج میں باقاعدہ تدریس چھ ماہ بعد ۲۳۔نومبر کو شروع ہوئی۔اس میں عربی، فارسی، سنسکرت، ہندوستانی، مرہٹی اور کنڑی زبانوں کے شعبے قائم کیے گئے۔اس میں اسلامی فقہ، ہندو دھرم، اخلاقیات، اصول قانون، برطانوی قانون، جدید یورپی زبانیں، انگریزی ادبیات، تاریخ، معاشیات، جغرافیہ، ریاضی، طبیعیات، کیمیا اور علوم نجوم وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔

۲۵۔ خلیق انجم، غالب کے خطوط، ص: ۲۰۵

۲۶۔ محمد شاہ(۱۷۱۹ء۔۱۷۴۸ء) شمالی ہند میں اردو شاعری کا آغاز انہی کے دور سے ہوا،اس روش میں ایہام گوئی یا ذو معنی باتیں ہوتی تھیں۔

۲۷۔ حامد حسن قادری، داستان تاریخ ادب، آگرہ: عزیز پریس، ۱۹۵۷ء، ص: ۱۴۱

۲۸۔ یہ اخبار مولوی باقر والد محمد حسین آزاد کی ادارت میں شائع ہوا۔محمد حسین آزاد نے بھی کچھ عرصہ اس اخبار کی ادارت کی۔

۲۹۔ اردو مکتوب نگاری ایک مطالعہ، بحوالہ اردو مکتوب نگاری، از شاداب تبسم، ص: ۴۵

۳۰۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، اطراف غالب، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۷۴ء، ص: ۲۹۷

۳۱۔ محمد حسن خان قتیل لاہوری

۳۲۔ غلام غوث بے خبر (۱۸۴۰ء-۱۹۰۵ء) آگرہ میں پیدا ہوئے۔غالب (م ۱۸۶۹ء) سے پہلے ۱۸۴۶ء میں اردو میں مکتوب نویسی کی جبکہ غالب نے ۱۸۵۰ء سے پہلے فارسی میں مکتوب لکھتے تھے۔بے خبر نے ۱۸۶۶ء میں غالب کا مجموعہ مکاتیب ''عود ہندی'' مرتب کیا تھا۔

۳۳۔ رجب علی بیگ سرور (۱۷۸۲ء۔۱۸۶۷ء) دبستان لکھنؤ کے اہم ترین نثر نگار ہیں۔فسانۂ عجائب، سرور سلطانی، شررِ عشق، شگوفۂ محبت اور انشائے سرور مشہور تصانیف ہیں۔

☆......☆......☆